ابو سلمان شاہجہانپوری

قرآن مجید کے قدیم فارسی تراجم

مولانا عبدالماجد دریا بادی نے ۱۱ر اکتوبر ۶۳ء کے صدق جدید میں قرآن مجید کے فارسی تراجم سے متعلق اپنی ابتدائی معلومات تحریر فرمائی تھیں۔ آپ نے لکھا تھا کہ

"اپنے بچپن میں جب میری آنکھیں کھلیں تو والد مرحوم کو روزانہ صبح پابندی سے ایک ترجمہ قرآن مجید کی تلاوت کرتے پایا۔ بڑی تقطیع کا یہ قرآن مجید دہلی کا چھپا ہوا تھا جس میں ایک تاریخی ترجمہ شاہ ولی اللہ دہلویؒ کا تھا، دوسرا اردو ترجمہ شاہ رفیع الدین صاحبؒ کا تھا اور حاشیے پر دو تفسیریں ابن عباسؓ اور جلالین کی۔ اور فارسی ترجمہ قرآن ایک مدت تک میں اس کو سمجھتا رہا۔ خیال قائم یہ ہے کہ ہندوستان میں ترجمۂ قرآن کی بنا ڈالنے والے حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ ہی ہیں۔"

آگے چل کر مولانا دریابادی کی معلومات میں مزید اضافہ ہوا اور تفسیر حسینی اور ایک ترجمہ جو شیخ سعدی کی طرف منسوب تھا، علم میں آیا۔ چنانچہ فرماتے ہیں ؎

"مدت کے بعد تفسیر حسینی (ملا حسین واعظ) کا ترجمہ فارسی دیکھا اور

اس کے بعد ایک اور ترجمہ نظر پڑا جو منسوب شیخ سعدی کی طرف ہے

بس فارسی ترجموں سے میری واقفیت کی کل یہی کائنات ہے۔"

لیکن جب مولانا کی نظر سے حضرت شاہ رفیع الدین کا ترجمہ مطبوعہ ۱۲۷۴ھ گزرا اور اس کے دیباچے پر نظر پڑی تو خیال اس طرف گیا کہ اس دور میں نہ صرف دو ایک بلکہ متعدد ترجمہ ہائے قرآن مجید متداول تھے۔ فرماتے ہیں :۔

"حال میں ایک کرم فرما کی عنایت سے مجھے ترجمہ ولی اللہی کا ایک نادر ایڈیشن ہاتھ لگ گیا۔ یہ بھی دہلی کا مطبوعہ ہے، محمد ہاشم علی کے مطبع ہاشمی کا۔ سال طبع ۱۲۷۴ھ۔ شاہ رفیع الدین کا اردو ترجمہ اس میں بھی بین السطور درج ہے اور حاشیہ پر تفسیر جلالین اور اس کے شروع میں دیباچہ شاہ صاحب کے قلم سے ہے۔ اس میں بار بار اس کا ذکر ملا کہ فارسی ترجمے (بصیغۂ جمع) شاہ صاحب کے زمانہ میں موجود تھے انھیں آپ نے پڑھا۔ مگر ان میں سے کوئی آپ کے معیار پسند پر پورا نہ اترا، اس لیے ایک جگہ فرماتے ہیں :۔

"ایں تفسیر..... یک چند در تفحص ترجمہ ہا افتاد ...
تراجم ہم زبانی کہ مقرر شدہ است باید و تمتع آں کوشد"

اسی طرح دوسری جگہ فرماتے ہیں :۔

"ایں ترجمہ ممتاز ست از ترجمہ ہائے دیگر"

اور پھر تیسری جگہ ہے :۔

"ازانچہ در ترجمہائے دیگر یافتہ می شود"

اور چوتھی جگہ :۔

"تراجم از دو حالت خالی نیست"

ان عبارتوں سے اندازہ ایسا ہوتا ہے کہ شاہ صاحب کے زمانے میں متعدد فارسی ترجمے شائع ہو چکے تھے۔ آج وہ سب کہنا چاہیے کہ

گمنام و بے نشان ہیں۔

اس مقام پر پہنچ کر ہر صاحب ذوق کے دل میں اس تمنا کا پیدا ہونا فطری تھا کہ کاش کوئی صاحب جو اہلیت و مناسبت رکھنے کے ساتھ فرصت بھی اتنی رکھتے ہوں کہ اس موضوع پر قلم اٹھائیں اور دور ولی اللہی سے قبل کے فارسی تراجم قرآن کا تعارف کرادیں۔ بمبئی کے سہ ماہی نوائے ادب میں ایک صاحب نے یہ خدمت قدیم اردو تراجم سے متعلق خوبی سے انجام دیدی ہے۔"

مولانا عبدالماجد صاحب دریابادی کی یہ صدا تمنا ثابت نہیں ہوئی اور یہ متعدد اہل علم حضرات کی توجہ کا مرکز بنی۔ جن حضرات کے علم و مطالعہ میں فارسی کا کوئی ترجمہ آیا تھا انھوں نے مولانا موصوف کو اس سے مطلع فرمایا۔ مولانا ان بیش قیمت معلومات کو مراسلات کی صورت میں صدق جدید میں شائع فرماتے رہے۔ یہ سلسلہ تقریباً ایک سال تک جاری رہا۔ معلومات کی فراہمی میں ہندوستان اور پاکستان کے ان اہل علم حضرات نے حصہ لیا:-

۱۔ قاضی زاہد الحسینی صاحب کیمبل پور	۲۔ یونس ندوی نگرامی
۳۔ قاضی اطہر مبارک پوری	۴۔ ابوالقاسم، لکھنؤ
۵۔ ضیا احمد بدایونی	۶۔ رئیس ضیائی، بنگلور
۷۔ عبداللہ بن اسمٰعیل، ڈابھیل	۸۔ شمس الضحٰی ندوی

۹۔ چند تراجم کی جانب محمد ایوب قادری ایم۔اے، کراچی نے توجہ دلائی۔ ان کے متعلق معلومات فراہم کرکے اس میں شامل کر دیئے گئے۔

ان حضرات کی توجہ سے فارسی تراجم قرآن مجید کے بارے میں بیش قیمت معلومات فراہم ہوگئیں لیکن ابھی تک یہ معلومات "صدق" جدید کے صفحات میں منتشر اور بے ترتیب تھیں، یہاں ان کو ایک ترتیب کے ساتھ پیش کیا جارہا ہے۔ اب یہ معلومات ایک جگہ بھی ہیں اور مرتب بھی۔ لیکن یہ دعوٰی نہیں کیا جاسکتا کہ مکمل بھی ہیں۔

مولانا دریابادی نے حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے دور سے قبل کے فارسی تراجم کے تعارف کی درخواست کی تھی لیکن جہاں تک ہندوستان اور پاکستان کا تعلق ہے فارسی تراجم قرآن مجید کا یہی آخری دور ہے۔ یہیں سے اردو تراجم کا دور شروع ہوتا ہے اور ابنائے شاہ ولی اللہ دہلوی کو یہ سعادت بھی حاصل ہے کہ اگر ان میں حضرت شاہ عبدالعزیزؒ ایک دور (یعنی فارسی تراجم کے دَور) کے خاتم[۱] ہیں تو دُوسرے دو بیٹے شاہ رفیع الدینؒ اور شاہ عبدالقادر دوسرے دور (یعنی اردو تراجم قرآن کا دور) کے فاتح بھی ہیں۔ اگرچہ فارسی زبان وادب کا دور اس کے بعد بھی باقی رہا۔ لیکن اس کے بعد فارسی تراجم سے استفادہ کرنے والوں کا کوئی حلقہ نظر نہیں آتا۔ اب ان فارسی تراجم کو محض تاریخی یا کتب حوالہ کی حیثیت حاصل ہے۔ یا کسی نے بطور تبرک سنبھال کر رکھ چھوڑا ہے۔

مذکورۂ بالا حاصل شدہ معلومات سے نہ صرف دَورِ شاہ ولی اللہؒ کا حال معلوم ہوگیا، بلکہ یہ بھی معلوم ہوجاتا ہے کہ فارسی کا سب سے پہلا ترجمہ قرآن یا قرآن کی کسی سورت کا ترجمہ کون سا ہے؟ اور اس کا نمونہ بھی کہیں دستیاب ہوتا ہے یا نہیں، نیز آخری ترجمہ کون سا ہے؟

یہ بات صرف ہندوستان اور پاکستان کی حد تک کہی جاسکتی ہے۔ ان ممالک میں جہاں کی عام بول چال کی زبان فارسی ہے اب بھی نئے نئے ترجمے فارسی میں ہورہے ہیں۔ افغانستان میں ابھی حال ہی میں ایک ترجمۂ فارسی مع حواشی شائع ہوا ہے۔ لیکن واضح رہے کہ یہ ترجمہ کسی ایرانی یا افغانی عالم کا نہیں بلکہ ہندوپاکستان کے ولیٔ اللّٰہی سلسلۃ الذہب کے آخری نشان حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ اسیر مالٹا کے اردو ترجمے اور مولانا شبیر احمد عثمانی مرحوم کے حاشیہ کا فارسی ایڈیشن ہے۔

---

[۱] خاتم دوراں کا یہاں صرف اس قدر مطلب ہے کہ وہ اس آخری دور سے تعلق رکھتے ہیں، یہ مطلب نہیں کہ بس ان کا ترجمہ آخری ترجمہ ہے اور اس کے بعد کوئی ترجمہ فارسی میں نہیں ہوا۔ اسی طرح فاتحِ دوراں سے مراد صرف یہ ہے کہ ان کا تعلق اردو تراجم قرآن کے دورِ اول سے تھا۔ یہاں یہ ہمارا مقصود نہیں ہے کہ ان سے پہلے اردو میں کسی نے ترجمہ کیا ہی نہیں تھا۔

بات دراصل یہ ہے کہ قرآن مجید کے فارسی تراجم کے بارے میں کام اتنا آسان نہیں ہے جتنا کہ اردو تراجم کے بارے میں تھا۔ اردو کی پوری تاریخ تین چار صدیوں سے زیادہ طویل نہیں جب کہ فارسی میں پہلی صدی ہجری سے ترجمہ قرآن کا سراغ ملتا ہے یعنی فارسی میں تراجم قرآن کی تاریخ تقریباً بارہ سو برسوں میں پھیلی ہوئی ہے۔ پھر فارسی کا حلقہ بھی اردو کے حلقہ سے کئی گنا بڑا ہے۔ اردو برصغیر پاک و ہند کا سرمایہ ہے جب کہ فارسی ایشیا کے بہت بڑے حصہ میں پھیلی ہوئی ہے۔

سب سے پہلے مولانا قاضی زاہد الحسینی نے فارسی تراجم کے بارے میں لکھا کہ چونکہ مسلمانوں کے ہاں قرون اولیٰ میں علمی زبان عربی ہی رہی ہے اس لیے علم تفسیر پر بھی باقی علوم کی طرح ہر مصنف نے جو کچھ لکھنا چاہا عربی میں لکھا ہے تاہم فارسی زبان میں بھی تفاسیر اور تراجم کی تعداد کافی موجود ہے۔ تتبع اور تلاش سے یہ موضوع تکمیل پذیر ہو سکتا ہے۔ اس سلسلہ میں چند نشانات پیش ہیں :-

.... فارسی ترجمے کی ابتدا کے متعلق مبسوط سرخسی جلد اصفحہ ۳۷ پر مندرجہ ذیل عبارت موجود ہے :-

روی ان الفرس کتبوا الی سلمان رضی اللہ عنہ ان یکتب لھم الفاتحۃ بالفارسیۃ وکانوا یقرؤن ذلک فی الصلوۃ حتی لانت السنتھم للعربیۃ ۔

اس پر جناب یونس ندوی فرماتے کہ

ہاں فارسی زبان میں سورۂ فاتحہ کا سب سے پہلا ترجمہ حضرت سلمان فارسیؓ نے کیا۔ صاحب روح المعانی جلد ۲ صفحہ ۱۵ میں اس کا تذکرہ یوں فرماتے ہیں :-

وفی النہایۃ والدرایۃ ان اھل فارس کتبوا الی سلمان الفارسی ان یکتب لھم الفاتحۃ بالفارسیۃ فکتب ۔

ہو سکتا ہے کہ فارسی کے قدیم ادبی ماخذوں میں اس کا کوئی حوالہ مل جائے تو ایک

بڑی تاریخی چیز سامنے آجائے گی۔ مولانا دریابادی نے اس پر اظہارِ خیال کرتے ہوئے لکھا :-

"بیشک ایک صحابیٔ رسول کا کیا ہوا ترجمۂ قرآن وہ چند آیات کا سہی، قابلِ دید ہوگا۔ کاش کہیں سے اس کی جھلک دیکھنے میں آجائے اب تک تو صرف اس کا تذکرہ ہی کتابوں میں پڑھا ہے۔"

قاضی مبارک پوری نے اس پر لکھا :-

"۔۔۔۔ (تاریخ الادب العربی صفحہ ۱۰۲ میں ہے کہ) موسی بن سیار اسواری جو کہ علم و فن میں یکتائے زمانہ اور بقول جاحظ انہ من اعاجیب الدنیا تھا۔ عربی اور فارسی زبانوں پر یکساں عبور رکھتا تھا اس کی مجلس درس میں دائیں طرف عرب اور بائیں طرف عجم بیٹھا کرتے تھے اور موسی بن سیار اسواری قرآن کی ایک آیت پڑھ کر عربوں کی طرف رخ کرکے عربی زبان میں اور عجمیوں کی متوجہ ہوکر فارسی زبان میں ترجمہ و تفسیر بیان کیا کرتا تھا۔

نیز امام ابن قتیبہ نے مشکلات القرآن میں ایک مقام پر قرآن حکیم کے عجمی (فارسی) زبان میں صحیح ترجمہ کی دقتوں اور دشواریوں کو بیان کیا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ تیسری صدی میں قرآن کے فارسی ترجمہ کا رواج ہوچکا تھا اور اہل علم اس کی کوشش کرتے تھے۔ تاریخ و رجال اور ادب و محاضرات کی کتابوں کی طرف مراجعت کی جائے تو کیا عجب ہے کہ موسی بن سیار اسواری کے ترجمہ و تفسیر کے بعض نمونے مل جائیں۔

قاضی زاہد الحسینی نے اس کی تائید یوں فرمائی :-

تاریخ ادبیاتِ ایران سے معلوم ہوتا ہے کہ تفسیر ابن جریر اور تفسیر جبائی ۳۰۳ھ کا ترجمہ فارسی میں امیر سید ملک مظفر ابو صالح نے علماء کی ایک مجلس سے کرایا تھا۔

اور ایک ترجمہ منصور بن نوح سامانی (ولادت ۲۶۵ھ وفات ۳۵۰ھ) کے زمانہ میں علماء کرام

نے فارسی ترجمہ مرتب کیا تھا جو حال ہی میں تہران سے شائع ہوا ہے۔

رئیس احمد ضیائی کے نزدیک قرآن پاک کا سب سے پہلا فارسی ترجمہ جو ابھی تہران سے شائع ہوا ہے، منصور بن نوح سامانی ۲۶۵ھ تا ۳۵۰ھ کے زمانہ کے علماء نے تیار کیا تھا۔

نیز یہ کہ اسٹوری کی PERSION LITRATURE حصہ اول و دوم LETH. براؤن اور PECE اور ELHE وغیرہ کی فہرستوں میں بہت فارسی ترجموں کا ذکر ملتا ہے۔

قاضی زاہد الحسینی نے اس پر یہ اضافہ فرمایا :-

تاج التراجم جس کے متعلق تاریخ ادبیات ایران کا نوٹ یہ ہے کہ اس کو تفسیر اسفرائنی بھی کہا جاتا ہے فارسی زبان کی اہم کتب میں سے ہے یہ تفسیر امام عماد الدین ابوالمظفر شاہ پور شافعی المذہب کی مرتبہ ہے جن کا وصال [illegible]ھ میں ہوا یہ کتاب چند حصوں میں منقسم ہے۔ ہر حصہ میں کسی نہ کسی سورۃ کا ترجمہ اور تفسیر موجود ہے۔

تاج التراجم کا ایک نسخہ کتب خانہ ملی پیرس میں موجود ہے اور ایک نسخہ عکسی دانشگاہ تہران میں اور اس کی اصل کتب خانہ ترکیہ میں محفوظ ہے۔

اسی طرح البصائر فی التفسیر از شیخ ظہیر الدین ابو جعفر محمد بن مسعود نیشاپوری (سالِ فراغت [illegible]ھ) چند مجلدات میں ہے۔

ایک قدیم فارسی تفسیر لطائف التفسیر ہے جس کے مرتب امام بکر فضل رحمۃ اللہ علیہ ہیں جو [illegible]ھ کو بخارا میں فوت ہوئے اور مزار بھی وہیں ہے۔ یہ تفسیر مدرسہ صولتیہ مکہ مکرمہ کے کتب خانہ میں ہے جو حضرت حاجی امداد اللہ صاحب قدس سرہ نے بوقت رحلت وقف فرمادی تھی۔

الفضل جیش ابراہیم تفصیلی متوفی ۶۶۹ھ نے فارسی میں ایک تفسیر لکھی جس کا نام مشکلات القرآن ہے احمد بن علی محمد کاتب نے [illegible]ھ میں فارسی میں قرآن کا ترجمہ لکھا جو استنبول کے کتب خانہ میں ہے۔

حال ہی میں محمد ایوب قادری نے اپنی کتاب "مخدوم جہانیاں جہاں گشت" صفحہ ۲۲۹ میں حضرت مخدوم سے منسوب ایک ترجمہ کا تذکرہ کیا ہے۔ قادری صاحب موصوف نے لکھا ہے کہ

> "یوپی کے مشہور بزرگ حضرت شاہ محمد ابراہیم مراد آبادی (المتوفی ۱۲۸۵ھ) کی اولاد میں مولوی احسان الحق صاحب مراد آبادی کے پاس قرآن کریم کا ایک قلمی نسخہ ہے جو خط بہار میں تحریر ہے۔ قرآن کریم میں کوئی ترقیمہ شامل نہیں ہے جس سے کاتب یا سن کتابت وغیرہ کا حال معلوم ہوتا مگر مولوی احسان الحق صاحب کے تایا زاد بھائی سلطان الحق بن شمس الحق کی روایت ہے کہ یہ قرآن کریم حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت کے دست مبارک کا لکھا ہوا ہے۔ قرآن کریم کے طرفین کے کئی سیپارے نہیں ہیں، درمیان میں بھی بعض سیپارے نامکمل ہیں۔ رسم الخط اور کاغذ سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ نسخہ آٹھویں صدی ہجری کا ہوسکتا ہے قرآن کریم میں فارسی ترجمہ بھی ہے اور ترجمہ سرخ روشنائی سے لکھا گیا ہے۔ ترجمہ میں حسب ضرورت بعض مقامات پر مختصر سی تشریح بھی ہے۔ قرآن کریم کا یہ فارسی ترجمہ برصغیر پاک وہند کے قدیم ترین ترجموں میں سے ہے۔ عَمَّ یَتَسَآءَلُوْنَ کے سیپارے کا کچھ حصہ بغیر ترجمے کے ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ پہلے سیاہ روشنائی سے قرآن کریم تحریر کیا گیا اور اس کے بعد سرخ روشنائی سے ترجمہ لکھا گیا۔"

اگر حضرت مخدوم سے اس ترجمے کی نسبت صحیح ہے تو یہ ترجمہ واقعی آٹھویں صدی ہجری کا ہے اس لیے کہ حضرت مخدوم کا وصال ۱۰ ذی الحجہ ۷۸۵ھ مطابق ۳ فروری ۱۳۸۴ء میں ہوا۔ چونکہ آخری پارے کا کچھ حصہ بغیر ترجمے کے ہے اس لیے قیاساً یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ شاید حضرت مخدوم نے اپنی زندگی کے آخری دور میں ترجمہ شروع کیا ہوگا اور ان کی علالت اور پھر وصال کی وجہ سے ترجمہ تشنہ رہ گیا۔

ابوالقاسم لکھنوی فرماتے ہیں :-

"احقر نے قرآن شریف کے درس کے دوران میں بارہا حضرت مولانا عبدالشکور صاحب فاروقی قدس سرہ (وفات ۱۳۸۱ھ / ۱۹۶۲ء) کی زبان مبارک سے سنا کہ جو قرآن کا ترجمہ شیخ سعدی کی جانب منسوب ہے وہ دراصل میر سید شریف جرجانی معاصر علامہ تفتازانی وصاحب نحو میر وغیرہ کا ہے مطبع والے نے میرے سامنے سعدیؒ کی طرف جذب زر کے لیے غلط طور پر منسوب کر کے شائع کیا ہے واللہ اعلم۔

حضرت قدس سرہ کے پیشِ نظر کیا دلائل تھے جو سید شریف کی طرف اس ترجمہ کو منسوب فرماتے تھے خیال پڑتا ہے کہ میرے یا کسی کے دریافت کرنے پر کچھ بتایا تھا جو مجھے یاد نہیں رہا۔

جب دار المبلغین پہلے پہل قائم ہوا ہے تو حضرت نے بعد نماز صبح ترجمہ قرآن کا درس دینا شروع فرمایا تھا جو تین چار دور تک جاری رہا میں پہلے دور میں از اول تا آخر شریک رہا"

شیخ سعدیؒ کی طرف منسوب قرآن مجید کے اسی فارسی ترجمے کے متعلق مولانا دریا بادی نے فرمایا:-

"اتنا تو اچھی طرح یاد ہے کہ مولانا ابو الکلام بھی اس ترجمہ کی نسبت شیخ سعدیؒ کی جانب بالکل غلط سمجھتے تھے اور خیال ظاہر کرتے تھے کہ کسی نے اصل مترجم کے نام کے ساتھ تعظیمی لقب مصلح الدین دیکھ کر اس کو شیخ سعدیؒ کا ترجمہ سمجھ لیا حالانکہ خود شیخ سعدیؒ کا بھی اصلی نام مصلح الدین نہ تھا مگر عوام میں مشہور یہی تھا۔ اور یہ بات مولانا نے زبانی ایک مختصر مجلس میں فرمائی تھی۔ رہا یہ کہ انھوں نے بھی اس کی صحیح نسبت سید شریف جرجانی ہی کی جانب قرار دی تھی سو یہ پوری طرح یاد نہیں پڑتا۔ اطمینان اس میں ہے کہ یہ بات بھی مولانا ابو الکلام نے فرمائی تھی یا کسی اور نے لکھی۔ بہر حال کسی اہل قلم کی ہی زبان سے نکلی ہوئی کان میں پڑی ہوئی ہے اور اس کے

کہنے والے مولانا عبدالشکور ہی نہ تھے۔ مولانا عبدالشکور اور مولانا ابوالکلام دونوں کی نظر ایسے معاملات میں اچھی اور گہری تھی۔"

ضیا احمد نے بھی اس کی تائید کی اور لکھا :-

مجھے بھی یاد پڑتا ہے کہ البیان مولفہ مولانا عبدالحق حقانی میں اس امر کی صراحت ہے کہ جو ترجمہ قرآن مجید شیخ سعدی شیرازیؒ (المتوفی ۶۹۱ھ) کی طرف منسوب ہے وہ دراصل سید شریف جرجانی (المتوفی ۸۱۶ھ) کا کیا ہوا ہے لیکن بقول مولانا دریابادی اس حد تک تو تصریح البیان میں موجود نہیں البتہ یہ ایک فقرہ اس میں درج ہے :-

"ایک ترجمہ فارسی میں سید شریف جرجانی کا بھی نہایت عمدہ ہے۔"

قاضی زاہد الحسینی فرماتے ہیں کہ

"سید شریف جرجانی نے مفردات قرآنیہ کو فارسی زبان میں تحریر فرمایا۔ تفسیر بحر مواج از علامہ شمس الدین دولت آبادی ثم الدہلوی ۸۴۹ھ فارسی زبان میں ہے۔ مولانا عبدالحق حقانی نے فرمایا کہ یہ تفسیر سلطان ابراہیم شرقی جونپوری کے زمانہ میں لکھی گئی۔

تفسیر حسینی حسین بن علی کاشفی (متوفی در حدود ۹۰۰ھ) فارسی زبان کی مشہور تفسیر ہے۔

راقم الحروف نے تذکرہ علمائے ہند[1] (صفحہ ۸) میں دیکھا ہے کہ عہد اکبر کے مشہور عالم ابوالفضل ابن شیخ مبارک ناگوری (م ۹۵۸ھ / ۱۵۵۱ء) نے آیۃ الکرسی کی تفسیر لکھی اس کا تاریخی نام تفسیر اکبری ہے جس سے ۹۸۳ھ برآمد ہوتے ہیں۔ ابوالفضل نے یہ تفسیر لکھ کر بادشاہ کی خدمت میں پیش کی اور عنایات شاہانہ سے سرفراز ہوا۔

قاضی زاہد الحسینی کے نزدیک برصغیر ہندو پاکستان میں نوح ہالائیؒ (وفات ۹۹۸ھ) کا ترجمہ فارسی سب سے زیادہ قدیم معلوم ہوتا ہے جس کا پہلا پارہ ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں

[1] از رحمان علی مترجمہ محمد ایوب قادری صاحب، شائع کردہ پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی کراچی۔

صاحب حیدرآباد یونیورسٹی شائع کر رہے ہیں۔ رئیس ضیائی نے اس کی تائید کی اور لکھا کہ

"..... ہمارے ملک میں مخدوم نوح ہالائی (المتوفی ۹۹۸ھ) اور شاہ ولی اللہ دہلوی" (المتوفی ۱۱۷۶ھ) کے فارسی تراجم قدیم ترین سمجھے جاتے ہیں اور جیسا کہ زاہد الحسینی صاحب نے فرمایا مخدوم نوح کے فارسی ترجمے کا پہلا پارہ ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں صاحب لاہور سے شائع کر رہے ہیں لیکن مولانا دریابادی کے نزدیک دونوں سے قدیم تر وہ ہے جو شیخ سعدی کی جانب منسوب ہے۔ مگر معتبر اہل علم کا کہنا یہ ہے کہ وہ شیخ جرجانی نحوی کا ہے۔ لیکن جہاں تک فارسی میں قرآن مجید کی تفاسیر کا تعلق ہے، قاضی زاہد الحسینی صاحب فرماتے ہیں کہ مولانا معین الدین نے ایک تفسیر حدائق الحقائق فی کشف اسرار الدقائق فارسی میں لکھی ہے ہم نے اس کی صرف تفسیر سورۂ یوسف کا حصہ دیکھا ہے جو ۱۰۰۹ء سے پہلے کا لکھا ہوا ہے۔ تفسیر خلاصۃ المنہج بھی فارسی تفسیر ہے جو سورۂ مریم سے لے کر آخر تک ایک ہی جلد ہے اس کی ابتدائی جلد کا پتہ نہ چل سکا البتہ یہ حصہ قلمی زریں رقم ہے جو عبداللہ برسپوری نے لکھا۔ اختتام تحریر کی تاریخ ۲۴ شعبان ۱۰۶۹ھ درج کی گئی ہے۔

اسی سلسلے میں عبداللہ بن اسمٰعیل نے لکھا کہ

"احقر نے چند ماہ بیشتر ڈابھیل کے قریب ایک گاؤں میں قرآن شریف کی ایک فارسی قلمی تفسیر دیکھی ہے اگرچہ وہ مکمل ہے مگر دیمک خوردہ ہونے کے سبب سے قابل انتفاع نہیں معلوم ہوتی۔ کتابت بہت اچھی ہے، نام تفسیر معینی ہے۔ درمیان کے پارے اچھے ہیں۔ دیکھنے سے معلوم ہوا کہ تفسیر مختصر انداز میں حنفی مسلک کے مطابق بہت اچھے اسلوب میں ہے۔

ابتدا اس طرح ہوتی ہے :-

هو المعین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حمد نامحدود وثنائے نامعدود معبودے را سزاست کہ حمد جمیع ....
خواندگان وجمیع ثنا خوانان را جمیع بذات پاک اوست الخ

مقدمہ میں چند اشعار ہیں جس سے سبب تالیف پر روشنی پڑتی ہے
اس کے دو سطر بعد یہ عبارت ہے :-

"این ہمہ توفیق تحصیل فضائل وتکمیل مآرب محض از فیض ....
(اس کے بعد القاب کی آٹھ سطریں ہیں) .... دیوان عظمت وجلالت
شاہ عالم بہادر اورنگ زیب ...."

اور چند سطروں کے بعد مکتوب ہے :-

"واتفاق ختم آن در بست وہفتم شہر محرم الحرام سنہ ہزار
وہفتاد بود بوضوح پیوست موجب تسمیہ این مؤلف باسم شرح القرآن معینی
این بود کہ مذکور امر غیبی والہام لاریبی درین امر جہد نمودہ شد. اگرچہ این
کم بضاعت را یارای آن نبود ولکن از قدرۃ اللہ بعید نیست بلکہ..
.... چنانچہ شہد فائق از نحل گزندہ بوجود می آرد"

تذکرہ علمائے ہند صفحہ ۴۷ میں سید محمد ابوالمجد محبوب عالم بن سید بدہ عالم (م [illegible])
کی ایک فارسی تفسیر کا تذکرہ ہے :-

"سید صاحب احمد آباد گجرات کے مشائخ صوفیاء میں سے تھے
تصانیف کثیرہ کے مالک ہوئے ان میں سے دو تفسیریں ہیں، ایک فارسی
زبان میں اہلبیت کی روایات سے ہے، دوسری جلالین کے انداز پر
عربی زبان میں ہے"

قاضی زاہد الحسینی نے ایک اور تفسیر تفسیر زاہدی کا ذکر کیا ہے یہ فارسی زبان کی تفسیر
چند جلدوں میں ہے جس کے متعلق نواب صدیق حسن خاں مرحوم نے الاکسیر صفحہ ۱۵۹ میں فرمایا

"محرر سطور بمطالعہ آں فائز شدہ است اما چیزے نیست۔"

مگر بقول مرحوم سید سلیمان ندوی :

"اس تفسیر نے سب سے زیادہ ہر دل عزیزی حاصل کی۔"

لیکن میرا خیال ہے کہ یہ دونوں آراء ایک دوسرے کی مخالف نہیں ہیں۔ حضرت نواب صاحب کا اشارہ اس کی علمی حیثیت کی طرف ہے اور حضرت سیّد صاحب نے اس کی عام مقبولیت کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ اور یہ تو ایک مانی ہوئی حقیقت ہے کہ قبولیت عامہ کے لیے کسی چیز کا اعلیٰ علمی درجہ کا ہونا شرط نہیں ہے۔ بعض کم تر علمی درجہ کی چیزیں وہ قبولیت عامہ حاصل کرتی ہیں جو اعلیٰ درجہ کی علمی مصنفات کو کبھی حاصل نہیں ہوتی۔

شاہ ولی اللہ کے عظیم فرزند شاہ عبدالعزیز (ف ۱۲۳۹ھ مطابق ۱۸۲۴ء) کی مشہور تفسیر فتح العزیز ہے یہ مکمل تفسیر نہیں۔ سورہ بقرہ اور آخری پارے کی تفسیر ہے، فارسی زبان میں متعدد بار زیور طبع سے آراستہ ہو چکی ہے۔ محمد حسن خاں رام پوری نے اردو میں ترجمہ کیا۔ رمضان ۱۲۶۱ھ میں یہ اردو ترجمہ بھی چھپ گیا۔

ڈابھیل کی اس فارسی تفسیر قلمی پر قاضی زاہد الحسینی نے مزید روشنی ڈالی ہے۔ وہ لکھتے ہیں :-

"..... جزاہم اللہ احسن الجزاء۔ میرے خیال میں یہ "قلمی تفسیر" ڈابھیل سے متصل قصبہ کفلتیہ کی مسجد کے کتب خانہ میں ہے جس کو میں اپنے زمانۂ طالب علمی میں محدث عصر مولانا انور شاہ کشمیری کے آخری سال تدریس میں دیکھ چکا ہوں۔ یہ کتب خانہ مولانا عبدالحی مرحوم سابق خطیب رنگون مؤلف البصائر کا ہے۔ یہ تفسیر معینی خواجہ معین الدین بن خواجہ محمود نقشبندی کی مرتبہ ہے۔ آپ اپنے زمانے کے بہت بڑے صاحب علم وتقوی گزرے ہیں۔ آپ کی وفات ۱۰۸۵ھ میں ہوئی۔

حدائق الحنفیہ میں اس تفسیر کا ذکر تو نہیں البتہ فتاویٰ نقشبندیہ کا ذکر ہے۔ (اس زمانہ کا) ایک شیعہ مترجم کا لکھا ہوا فارسی ترجمہ احقر نے دیکھا ہے

جس سے پتہ چلتا ہے :-

"از دست علی رضا در اوائل شوال ۱۰۸۲ھ"

نیز اورنگ زیب عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ کے زمانے کا ایک قلمی ترجمہ فارسی میں احقر نے دیکھا ہے جو بڑے سائز کا ہے اور جس کا ترجمہ بین السطور تفسیر نما ہے۔ یہ وہ ترجمہ ہے جس کو حسن ابدال میں شروع کیا اور دکن میں ختم کیا۔ اس کے پہلے صفحہ پر عالمگیر اور سید علی خاں الحسن جواہر رقم کی مہر ہے جس پر ۱۰۸۶ھ اور ۱۰۸۷ھ مرقوم ہے۔ زمانے کی دست برد سے اس ترجمے کا صرف ایک حصہ از سورۂ یونس تا سورۂ عنکبوت محفوظ ہے۔

نیز مولوی ولی الدین سید احمد فرخ آبادی نے ۱۲۴۹ھ میں قرآن کی فارسی تفسیر تین جلدوں میں تحریر کی۔

راقم الحروف عرض پرداز ہے کہ موصوف کا صحیح نام محمد ولی اللہ تھا۔ احمد علی حسینی فرخ آبادی کے فرزند تھے۔ آپ کی تفسیر کا نام نظم الجواہر ہے۔ بہت بڑے رجسٹر سائز کے چودہ سو چودہ صفحات کی ایک جلد میں ہے۔ خوب صورت قلمی نسخہ رضا لائبریری رام پور میں اور ایک نسخہ بدایوں میں کسی صاحب کے ذاتی کتب خانے میں ہے۔ ممکن ہے کسی صاحب نے اس کی ضخامت دیکھتے ہوئے تین حصوں میں تقسیم کرکے جلدیں بنوالی ہوں اور یہی محترم زاہد علی الحسینی صاحب کی نظر سے گزری ہو۔ یہ تفسیر ۱۲۴۲ھ میں تکمیل کو پہنچی۔ "اکمال نظم" سے تاریخ تکمیل برآمد ہوتی ہے۔ عہد بنگش کے دیباچہ میں فاضل محترم محمد ایوب قادری نے اس تفسیر کا مکمل ذکر کیا ہے۔ قادری صاحب تحریر فرماتے ہیں :-

"یہ قرآن کی تفسیر ہے۔ نظم الجواہر اس کا تاریخی نام ہے جس سے ۱۲۳۶ھ مطابق ۲۱-۱۸۲۰ء برآمد ہوتے ہیں۔ مفتی صاحب اپنی تصانیف میں تفسیر کو خاص اہمیت دیتے تھے۔ چنانچہ لکھتے ہیں :-

"تفسیر نظم الجواہر دیدنی است و بدیدہ دل سپردنی"

یہ تفسیر ۱۲۳۶ھ میں لکھنی شروع کی اور چھ سال کے عرصہ میں ۱۲۴۲ھ

میں مکمل ہوئی۔ اس کے اختتام کی تاریخ "اکمال نظر" سے نکلتی ہے۔ یہ نظم الجواہر کا ایک بہت ہی خوشخط اور اچھا قلمی نسخہ رضا لائبریری رام پور میں موجود ہے۔ یہ کتاب ایک بہت بڑے رجسٹر سائز کے ۱۴۴ صفحات پر مشتمل ہے۔ کتابت خط نستعلیق میں جلی حروف میں ہوئی ہے۔ یہ تفسیر علوم قرآنی کا دائرۃ المعارف ہے۔ نواب صدیق حسن خاں نے لکھا ہے کہ اس تفسیر پر مولوی اوحد الدین احمد بلگرامی اور مرزا حسن علی محدث وغیرہ نے کفر کا فتویٰ صادر کیا تھا۔ (مآثر صدیقی جلد ۱ صفحہ ۶۳) کتاب کا آغاز اس طرح ہوا ہے:-

وبحمده حمدا طیبا مبارکا رهاء لکلماته التامة وکفاء لآیاته العامة حمد الشاکرین ونشهد ان لا اله الا الله وحده لاشریک له ونشهد ان محمدا عبده ورسوله وخاتم الانبیاء والمرسلین صلی الله علیه وسلم وبارک علیه **اما بعد** می گوید محمد ولی الله بن احمد علی حسینی فرخ آبادی افاض الله تعالی علیه ولاء جلائل النعم وسبحان جزائل الایادی (کذا فی الاصل) پس از اتمام حفظ قرآن مجید در اوائل ۱۲۳۲ھ (یک ہزار و دو صد و سی و سہ ہجریہ کہ اعداد حروف آیۂ اِنَّا فَتَحْنَا لَکَ فَتْحًا مُّبِیْنًا بآں مشعر است ...... وآں را نظم الجواہر وقصد الفرائد نامیدم۔

کتاب نامی نظم الجواہر — کہ باشد در مسلماناں مسلم
مؤلف ثانیا در وے نظر کرد — فتد مغفور تا در جملہ عالم
ز ہجرت یکہزار و دو صد و چل ۱۲۴۲ھ — دگر دو بود رفتہ تا بایں دم
بہنگام تمام ماہ رمضان — شروع شہر شوال مکرم

بوقت مغرب مابین شہرین — کہ بودند اہلِ دین خوشنود و خرم
زالکمال نظر چوں گفت فارغ — پے تاریخ شد از غیب ملہم
کہ "اکمال نظر" تاریخ باشد — دگر "مغرب" فان الیوم قد تم

والی الکل حسین الف الف
علی خیر الوریٰ صلّ وسلم

وعلیٰ جمیع اخوانہ من النبیین والصدیقین والشہداء
والصالحین وعلی آلہ الطیبین الطاہرین وصحابتہ
البررۃ اجمعین الحمد للہ رب العلمین ربنا اتمم
لنا نورنا واغفرلنا انک علی کل شیٔ قدیر وبالاجابۃ
جدیر۔

"عہد بنگش کی سیاسی علمی وثقافتی تاریخ" مفتی ولی اللہ فرخ آبادی کی مشہور کتاب "تاریخ فرخ آباد" کا ترجمہ ہے جسے محمد ایوب قادری صاحب نے مرتب کیا ہے اور اکیڈمی آف ایجوکیشنل ریسرچ، آل پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس کراچی شائع کر رہی ہے۔

آخر میں مولانا زاہد الحسینی صاحب نے بعض اور تفسیروں کا تذکرہ کیا ہے، وہ لکھتے ہیں:۔

"ابو علی فضل بن حسن طبرسی ۵۴۸ھ کی مفصل تفسیر کا ترجمہ فارسی میں سر میں تیرھویں صدی میں آغا محمد نے کیا تھا۔ (ایک اور تفسیر، تفسیر اسور آبادی از ابوبکر عتیق بن الہروی اسور آبادی نظر سے گزری) یہ تفسیر فارسی زبان کے بلند پایہ نمونہ پر تحریر کی گئی ہے اور تا حال غیر مطبوعہ ہے۔ اس کے نسخے ایران، استنبول، انڈیا آفس، انگلستان اور برلن میں موجود ہیں"

ایک اور ترجمہ فارسی کا پنجاب یونیورسٹی کی لائبریری میں محفوظ ہے، جس پر ابن عاقل لکھا ہوا ہے۔